اُردو مثنوی کا ارتقا

عبدالقادر سروری

ایجوکیشنل بک ہاؤس ○ علی گڑھ

Scanned with CamScanner

۴

قدیم مثنویوں کا عروج

بہ ظاہر ایک عجیب حسن اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی سال یعنی ۹۸۸ھ میں بیجاپور اور گولکنڈہ میں دو ایسے سلاطین تخت نشین ہوئے جن میں سے ہر ایک علم و فضل اور شعر و ادب کی قدر دانی میں دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ سو سال کے عرصہ میں ان دونوں مرکزوں میں علم و ادب کا ذوق اتنا ترقی کر گیا تھا اور اردو کے ایسے اچھے شاعر پیدا ہونے لگے تھے کہ جن کی خوش بیانی کے مقابلہ میں فارسی شاعری کا مذاق بھیکا پڑ گیا تھا۔ اسی فضا کے اقتضاء کے دراصل بیجاپور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ - ۱۰۳۷ھ) اور گولکنڈہ میں محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ - ۱۰۲۰ھ) جیسے سرپرست ادب سلاطین پیدا کئے۔ یہ دونوں سلطنتیں ہمسایہ اور ہمعصر تھیں۔ اس لئے ان کے مذاق میں مناسبت موجود تھی۔ پھر معاصرانہ چشمکیں بھی ان سلاطین اور ان کے جانشینوں کو

خاص طور پر اردو شاعروں کی سرپرستی میں، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنے پر ابھارتی رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم اردو ادب کی تاریخ میں یہ زمانہ شعر و ادب کے وسیع چرچوں اور کثیر پیداوار سے معمور ہے۔ اسی لئے اس کو عروج کے دور یا سنہری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس زمانے کے اردو شعرا اور ادیبوں کے مذاق میں جو نکھار پیدا ہو گیا تھا اس کا بڑا ثبوت ان کے کارنامے ہیں۔ اس سازگار فضا نے سینکڑوں خوش گفتار شعراء کی تربیت کی۔ ان میں انشاء پرداز بھی تھے اور شاعر بھی۔ اکثر شاعر ایسے تھے، جنھوں نے ہزاروں اشعار کی طول طویل اور دلکش نظمیں سرانجام کیں۔ اردو میں جتنی مثنویاں دہلی اور لکھنؤ میں لکھی گئیں، ان سے کئی گنی زیادہ مثنویاں صرف اس سو سال کے عرصہ کے اندر اندر دکن میں تصنیف ہوئیں۔

یہ مثنویاں جن کا کسی قدر تفصیلی ذکر آئندہ ابواب میں کیا گیا ہے زیادہ تر قدیم فوق فطری طرز کی داستانیں ہیں۔ ان میں سے اکثر فارسی مثنویوں یا ہندوستانی نظموں کے ترجمے بھی ہیں۔ لیکن طبعزاد اور نئی مثنویاں بھی کچھ کم نہیں لکھی گئیں۔ فارسی ترجمے لفظی بہت کم ہیں اور آزاد ترجمے اور ماخوذ قصے زیادہ ہیں۔ خاص طور پر رزمیہ مثنویاں تو اس عہد کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ بعد کے شعراء پر ایک تو تغزل کا رنگ زیادہ چھا گیا تھا، دوسرے

Scanned with CamScanner

جنگ و جدل کے وہ نقشے بھی، ان کے سامنے نہیں تھے جن سے اس عہد کے اکثر شعرا کو سابقہ پڑتا تھا۔

طول طویل ادبی کارناموں کے لئے اردو کی پوری تاریخ میں، یہ زمانہ خاص طور پر مساعد تھا۔ گذشتہ دو تین سو سال کی امن و امان کی زندگی، مرفہ حالی اور شعری مذاق کی ترقی کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔

بیجاپور میں ابراہیم عادل شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی ملک کی علمی فضا بدل گئی۔ اس کے گوناگوں اسباب تھے۔ سب سے پہلا سبب اس کے اسلاف کے عہد کا امن و امان اور ملک کی خوش حالی تھی۔ دوسرے اس نے فارسی شعرا کے مقابلے میں اردو شعرا کو اس لئے آگے بڑھایا کہ یہ عہد کے ادبی ذوق کا تقاضا تھا۔ فارسی شعرا کی سرپرستی سے اس کو مغل شہنشاہوں کی سی شہرت کبھی نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ گذشتہ سو سال سے جو ادبی ذوق بیجاپور میں نشو و نما پا رہا تھا اس کو چمکنے کے لئے صرف ذرا سی تحریک کافی تھی، چنانچہ ابراہیم نے اردو شعرا پر عنایت اور لطف کی نظر کی اور سینکڑوں سخن پرداز ابھرے اور اطراف و اکناف بلکہ شمالی ہند سے بھی بیجاپور آگئے اور سخن سنجیوں کی خوب خوب داد دی جانے لگی۔

ابراہیم کا ذوق حسن کاری، کوئی معمولی درجہ کا نہیں تھا۔ ایک

صاحب ذوق، ادیب، شاعر اور ماہر موسیقی ہونے کے اعتبار سے اس کی شہرت ہمیشہ زندہ رہے گی۔ علمار شعرار اور اہل کمال کے ساتھ اس کا جو لگاؤ تھا اس کا ثبوت اس کے دربار میں قابل اعتنا ادیبوں، شاعروں اور عالموں کے جمع ہو جانے سے ملتا ہے۔ چنانچہ اس کے زمانے میں دارالسلطنت میں ابوالقاسم فرشتہ اور رفیع الدین ابراہیم شیرازی جیسے مورخ، حکیم آتشی، مولانا حیدر ذہنی اور مرزا مقیم جیسے علمار اور ملا ظہوری، باقر نمی، عبدالقادر نورسی جیسے شاعر اور ادیب موجود تھے۔ اردو سے اس کو اس قدر دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے بسائے ہوئے شہر، بنائے ہوئے محلات، باغوں اور راہوں کے اکثر نام اردو ہی رکھے تھے۔

ابراہیم کے جانشین محمد اور علی (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ اور ۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں اردو شاعری کا ذوق گویا معراج کمال کو پہنچ چکا تھا۔ ابراہیم کے عہد میں جس ذوق کی نشوونما ہوئی تھی اس کے بارآور ہونے کا یہ زمانہ تھا۔ چنانچہ محمد کے عہد کے شعرار میں رستمی، صنعتی اور ولی اور علی کے زمانہ کے شاعروں میں ملک الشعرار نصرتی، شاہ ملک، ہاشمی وغیرہ مشہور اور مسلم الثبوت اساتذۂ فن ہوئے ہیں۔ اس خاندان کے آخری تاجدار سکندر عادل شاہ کا عہد اس مہتم بالشان آغاز کا حزنیہ انجام ہے۔

بیجاپور کے ساتھ ساتھ گولکنڈہ کی ادبی ترقی کی ابتدا محمد قلی قطب شاہ کے عہد سے ہونے لگی تھی۔ محمد قلی جو ابراہیم کا معاصر تھا اور ابراہیم سے ۱۷ سال پہلے فوت ہوا، اس کو بھی ابراہیم کی طرح طویل امن و امان اور خوش حالی کا زمانہ نصیب ہوا۔ اور اردو شعراء کی سرپرستی میں یہ اور اس کے جانشین اپنے بیجاپوری معاصرین سے کبھی پیچھے نہیں رہے۔

ہم سائیگی اور مذاق کی یگانگت کی وجہ سے اکثر علماء اور شعراء ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ اسی باہمی ربط نے گولکنڈہ اور اور بیجاپور کی علمی اور ادبی فضاء میں ہم آہنگی پیدا کر دی تھی۔ بیجاپور مغربی ساحل سے قریب تر ہونے اور ایرانی سلطنت سے عادل شاہوں کے روابط کی وجہ سے پھر بھی یہاں فارسی کا کچھ نہ کچھ اثر تھا لیکن گولکنڈہ میں یہ اثر بہت کم تھا۔ یہاں اردو ہی کی چہل پہل زیادہ تھی۔

اس زمانے میں عادل شاہی اور قطب شاہی سلاطین نے اردو شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جو کوشش کی، اس کو دیکھ کر خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد اسلامی سلطنت کے مختلف حصوں کے حکمرانوں اور امیروں، بنو بویہ، بنو سامان، بنو صفار وغیرہ نے فارسی شعراء کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے جو مسابقت کی اس کا نقشہ ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

محمد قلی سے پہلے گولکنڈہ کے اردو شعرا میں صرف چند شاعروں کا پتہ چل سکا ہے جن کے نام شیخ احمد ملا خیالی، فیروز اور سید محمود ہیں۔ ان کے کسی کارنامہ کا حال اس وقت معلوم نہیں ہے۔ بعد کے شعراء جیسے ابن نشاطی وغیرہ نے ان کا ذکر کیا ہے، جس احترام کے ساتھ وہ ان کا نام لیتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانے کے اساتذہ سمجھے جاتے تھے۔ مثلاً ابن نشاطی نے ان کے متعلق جو شعر لکھے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

نہیں وو کیا کروں فیروز استاد — کہ دیتا شاعری کا کچ مرا داد
اہے صد حیف جو نیں سید محمود — کتے پانی کوں پانی دودکوں دود
نہیں اس وقت پر دو شیخ احمد — سخن کا دیکھتے باندیا سو میں سد
حسن شوقی اگر ہوتا تو الحال — ہزاراں بھیجتا رحمت منجہ ایر ال
اچھے تو دیکھتا ملا خیالی — یوں میں برتیا ہوں سم صاحب کمال

شیخ احمد غالباً وہی ہے، جس کی مثنوی "لیلیٰ مجنوں" کا اقتباس شیرانی نے "پنجاب میں اردو" میں دیا ہے۔

محمد قلی کا پایہ اردو شاعری میں بہت بلند ہے۔ وہ نہایت پُر گو شاعر تھا اور ایک ضخیم اردو کلیات اس نے یادگار چھوڑا ہے۔ غزل جس کی مقبولیت دکّی اورنگ آبادی کے زمانہ سے بہت بڑھ گئی تھی اس کی ابتدا محمد قلی سے ہوئی۔ اپنے زمانے کے دوسرے شعرا کے برخلاف اس نے

Scanned with CamScanner

اپنا پورا کلام غزل میں یا غزل کی شکل میں لکھا۔ حتیٰ کہ اس میں وہ نظموں کے موضوعات جیسے سال گرہ کی تقریبوں کا حال، حمد، منقبت وغیرہ سب کچھ لکھتا تھا۔ ابراہیم کی زبان پر کھڑی بولی کا اثر زیادہ تھا۔ لیکن محمد قلی کا کلام قدیم اردو میں ہے۔ غزل میں وہ اکثر حافظ شیرازی کی تقلید کرتا ہے۔ اس نوخیز زبان میں حافظ جیسے نغز گو شاعر کے تخیلات کو ادا کرنا آسان کام نہیں تھا۔ محمد قلی ایک حقیقی شاعر کی طرح ذوق نظر اور لطف گویائی رکھتا تھا۔ اس لئے اس کے کلام کا بڑا حصہ عاشقانہ اور غنائی ہے۔ اس کے ضخیم کلیات کے مقدمہ میں حیات اور اس کے مختلف پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اس کی توضیحی نظمیں میر کی مثنویوں کی طرح دلچسپ ہیں۔ کلیات کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ نے مرتب کرکے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات کی طرف سے شایع کیا ہے۔

محمد قلی کے دربار کی سرپرستیوں نے بعض ایسے شعراء کو منظر عام پر آنے میں مدد دی جن کا نام اردو شعراء میں احترام سے لیا جاتا ہے اور جن کے کارنامے لازوال شہرت کے مالک ہیں۔ ان میں وجہی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

محمد قلی کا جانشین محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ - ۱۰۳۵ھ) سلطنت اور ذوق دونوں اعتبار سے اس کا وارث تھا۔ نہ صرف شہر حیدرآباد کی خوبی کو

بڑھانے اور علماء کی قدر دانی میں وہ اپنے چچا کے قدم بہ قدم تھا بلکہ اردو شاعری کا مذاق بھی اس کو ورثہ میں ملا تھا۔ اس نے بھی ایک دیوان یادگار چھوڑا۔

محمد کے دربار کے شعراء میں، محمد قلی کے عہد کے باقی ماندہ شاعروں کے علاوہ اور کئی اچھے اچھے سخن سنجوں کا اضافہ ہوا جن میں حسن شوقی خاص رتبہ رکھتا ہے جو پہلے نظام شاہ کی سرپرستی میں بسر کرتا تھا اور ایک رزمیہ مثنوی "ظفر نامہ" کے نام سے اس نے لکھی تھی۔

محمد کے بعد عبداللہ (۱۰۳۵-۱۰۸۳ھ) تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں قدیم اردو شاعری عروج کمال کو پہنچ گئی۔ جتنے بلند پایہ اساتذہ اس کے عہد میں موجود تھے، دکن کے کسی اور حکمراں کے عہد میں نہیں مل سکیں گے۔ اس کو بھی شعر و سخن کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ ان زبانوں میں اس نے دیوان بھی چھوڑے ہیں چنانچہ اس کا اردو دیوان مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات کی سرپرستی میں مولوی سید محمد صاحب کی ترتیب کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ قطب شاہی خاندان کے حکمرانوں میں جتنی طویل مدت حکمرانی اس کو نصیب ہوئی، کسی اور بادشاہ کو نصیب نہ ہو سکی۔ اس نے پورے پچاس سال حکومت کی۔ اس طویل عرصہ میں اسے بہت سے اچھے اچھے شاعروں کی

Scanned with CamScanner

سرپرستی کرنے کا موقع ملا۔ غواصی اور ابن نشاطی اسی عہد میں عروج پر پہنچے۔ اس وقت اردو زبان اور شاعری اتنی ترقی کر چکی تھی کہ اس کے مقابلے میں محمد قلی کے عہد کی زبان بھی قدیم معلوم ہوتی ہے۔ گولکنڈہ کی پرعظمت شاعری کا دور گویا عبداللہ پر ختم ہو جاتا ہے۔

عبداللہ کے جانشین سلطان ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳-۱۰۹۸ھ) کا عہد نہ صرف گولکنڈہ کی سلطنت کا اختتام ہے بلکہ قدیم اردو شاعری کی ترقی بھی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابوالحسن کا ذوق بلند پایہ تھا اور اس کی طبیعت حد درجہ نفاست پسند واقع ہوئی تھی۔ تاہم اس کے زمانے میں شعر و سخن کے وہ چرچے نہیں رہے جو اس سے پہلے تھے۔ روحانیت اور تصوف سے اسے خاص لگاؤ تھا۔ اس کے دربار کی علمی چہل پہل کا پورا نقشہ ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ حالاں کہ پایہ تخت میں اب بھی اچھے نغز گو شاعروں کی کمی نہیں تھی۔ ان میں فائز، لطیف، غلام علی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کے کارناموں سے ماحول کی بے اطمینانی اور ہمتوں کی پستی کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ ابوالحسن نے ۱۵ سال حکومت کی اور آخرکار اورنگ زیب کی قید میں زندگی کے آخری سال گذار کر دنیا سے رخصت ہوا۔ گولکنڈہ کی سلطنت کے خاتمہ سے دکن کی علمی اور ادبی مرکزیت رفتہ رفتہ ختم ہو گئی اور دکن مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔

Scanned with CamScanner

اس عہد کی پیداوار اس قدر کثیر ہے کہ سہولت کی خاطر اس کو دو حصّوں پر تقسیم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بیجاپور اور گولکنڈہ کی مثنویوں کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ ابواب میں کیا گیا ہے۔ گو ان دونوں مرکزوں میں شعروادب کا عروج ساتھ ساتھ ہوا۔ بیجاپور کے کارناموں کا ذکر اس لئے پہلے کیا گیا ہے کہ یہ سلطنت، گولکنڈہ کی سلطنت سے گیارہ سال پہلے قایم ہوئی تھی اور اس کا تعلق قدیم مرکزوں گجرات اور احمد آباد سے بھی رہا تھا۔ نیز اردو شاعری کا چرچا پہلے پہل یہیں پھیلا۔ گولکنڈہ کا تعلق بعد کے دور سے بھی ہے۔ چنانچہ بیجاپور کے اکثر شاعر عادل شاہی حکومت کے خاتمے کے بعد گولکنڈہ چلے گئے تھے۔ گولکنڈہ کی تباہی کے بعد شعراء اور علماء ویلور، آرکاٹ، اورنگ آباد اور حیدرآباد کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ حیدرآباد میں اردو ادب اور شاعری کا ارتقاء مسلسل اور موجودہ زمانہ تک جاری رہا۔